© rasailojaraid.com

نظرات

آج علمی اور تہذیبی و تمدنی سطح پر اسلام کو جن بین الاقوامی معاملات و مسائل سے واسطہ اور سابقہ رہتا ہے وہ اسلام کے لئے نیا تجربہ نہیں، بلکہ اس کو اپنے ابتدائی دور نشوو نما اور عہد عروج و ترقی میں بعض اعتبارات سے اس سے بھی زیادہ سخت اور پیچیدہ تر تجربہ پیش آچکا ہے، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کے عظیم الشان کاروان فتوحات نے جزیرۃ العرب کے حدود سے باہر نکل کر بیرونی دنیا کا قصد کیا، اور عرب و عجم کی بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں اس کے دبدبۂ جاہ و جلال اور طنطنۂ عظمت و شکوہ کے سامنے سر اطاعت خم کرتی رہیں، چنانچہ ابھی پہلی صدی ہجری ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ عراق، ایران، شام، مصر سندھ، بخارا، خوارزم، سمرقند و کاشغر، اور مغرب میں برقہ و تیونس، الجزائر اور تنگنائے جبل الطارق تک مراکش، یہ سب ممالک اسلام کے زیر نگیں آگئے، اسلام سے پہلے دنیا میں تہذیب و تمدن... اور علوم و فنون کے جو عظیم مراکز قائم تھے، وہ سب ان مفتوحہ ممالک میں شامل تھے، اس بنا پر جب یہ قومیں اسلام میں داخل ہوئیں تو اپنے علوم و فنون اور اپنی تہذیب و تمدن ساتھ لیکر آئیں، ان نو مسلم قوموں کے ساتھ عربوں کے اختلاط و ارتباط کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فکر و نظر میں بھونچال کی سی کیفیت پیدا ہوگئی، اس بھونچال کے اثرات بہت دور رس اور گہرے تھے یونانی علوم و فنون، ایرانی تہذیب و تمدن اور ان کے افکار و عقائد، عیسائیوں اور یہود کے ملے جلے مذہبی خیالات و نظریات، یہاں تک کہ مزدکی اور زردشتی طریق فکر۔ ان سب کے ملے جلے نفوذ و عمل کا یہ عالم ہوا کہ اسلامی عقائد و افکار، ضابطۂ اعمال و افعال، فلسفۂ اخلاق، عربی زبان، اس کی لغت اور اسلوب و لہجہ، عربوں کی معاشرت اور معاشرت، یہ سب اس بحران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا زد میں آ گئے" مابعد الطبعیاتی حقائق کے بیان اور ان کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ انسانی شعور و وجدان کو بیدار کرتا ہے اور انہیں ابھارتا اور برانگیختہ کرتا ہے، ان کے اثبات کے لئے وہ انسان کے مشاہدات اور محسوسات سے استدلال کرتا ہے، اور انہیں کی اساس پر ان میں غور و تفکر کی دعوت دیتا ہے، عقل کبھی بے سہارے نہیں ہو سکتی، قرآن حکیم عقل کے لئے وجدان کا سہارا پیدا کرتا ہے اور اس کو مجرد منطق اور فلسفۂ مطلق کے حوالے نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ عقل محض کے ذریعہ مابعد الطبعیاتی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے گز سے سمندر کو ناپنے کی سعیٔ رائیگاں کرنا مابعد الطبعیاتی حقائق کے فہم و ادراک کا یہی وہ رمز ہے جس کو اردو زبان کے شاعر حکیم اکبر الہ آبادی نے اس طرح بیان کیا تھا کہ:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

قرن اول کے مسلمانوں کا ایمان و اعتقاد قرآن کے اسی اسلوب بیان پر مبنی تھا اور اسی لئے ان کے عمل میں بھی استواری اور پختگی تھی۔

لیکن اب عراق و شام میں مختلف قوموں کے ارتباط و اختلاط سے جو تہذیبی تصادم و تزاحم پیدا ہوا اس نے اسلامی نظام فکر میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اب بحث اس پر بھی ہونے لگی کہ خدا کی صفات عین ذات ہیں یا غیر ذات، یا نہ عین اور نہ غیر، احتمال عقلی کے طور پر یہی تین صورتیں ہو سکتی تھیں اور عجیب بات ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے احتمال کسی نہ کسی فرقہ کا مذہب ہو گیا، یہ بحث بھی پیدا ہوئی کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب، اعمال اس کا جزء ہیں یا نہیں، اس کے علاوہ جبر و اختیار، کلام الٰہی کے حدوث و قدم، افعال انسانی کے مخلوق و عدم مخلوق کی بحثیں پیدا ہوئیں اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، جتنے منہ اتنی باتیں، کثرت سے فرقے پیدا ہونے شروع ہوئے، یہ فرقے اس کثرت سے تھے کہ اُن کے نام گنوانا بھی یہاں طوالت کا باعث ہو گا۔ ابن حزم کی کتاب "الفصل بین الملل والنحل" سے اس کی تفصیل معلوم کی جا سکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی زد میں آ گئے، مابعد الطبعیاتی حقائق کے بیان اور ان کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ انسانی شعور و وجدان کو بیدار کرتا ہے اور انہیں ابھارتا اور برانگیختہ کرتا ہے، ان کے اثبات کے لئے وہ انسان کے مشاہدات اور محسوسات سے استدلال کرتا ہے، اور انہیں کی اساس پر ان میں غور و تفکر کی دعوت دیتا ہے، عقل کبھی بے سہارے نہیں ہو سکتی، قرآن حکیم عقل کے لئے وجدان کا سہارا پیدا کرتا ہے اور اس کو مجرد منطق اور فلسفہ مطلق کے حوالے نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ عقل محض کے ذریعہ مابعد الطبعیاتی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے گز سے سمندر کو ناپنے کی سعیٔ رائیگاں کرنا مابعد الطبعیاتی حقائق کے فہم و ادراک کا یہی وہ رمز ہے جس کو اردو زبان کے شاعر حکیم اکبر الٰہ آبادی نے اس طرح بیان کیا تھا کہ:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

قرن اول کے مسلمانوں کا ایمان و اعتقاد قرآن کے اسی اسلوب بیان پر مبنی تھا اور اسی لئے ان کے عمل میں بھی استواری اور پختگی تھی۔

لیکن اب عراق و شام میں مختلف قوموں کے ارتباط و اختلاط سے جو مذہبی تصادم و تزاحم پیدا ہوا اس نے اسلامی نظام فکر میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اب بحث اس پر بھی ہونے لگی کہ خدا کی صفات عین ذات ہیں یا غیر ذات، یا نہ عین اور نہ غیر، احتمال عقلی کے طور پر یہی تین صورتیں ہو سکتی تھیں اور عجیب بات ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے احتمال کسی نہ کسی فرقہ کا مذہب ہو گیا، یہ بحث بھی پیدا ہوئی کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب، اعمال اس کا جزء ہیں یا نہیں، اس کے علاوہ جبر و اختیار، کلام الٰہی کے حدوث و قدم، افعال انسانی کے مخلوق و عدم مخلوق کی بحثیں پیدا ہوئیں اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، جتنے منہ اتنی باتیں، کثرت سے فرقے پیدا ہونے شروع ہوئے، یہ فرقے اس کثرت سے تھے کہ ان کے نام گنوانا بھی یہاں طوالت کا باعث ہو گا۔ ابن حزم کی کتاب "الفصل بین الملل والنحل" سے اس کی تفصیل معلوم کی جا سکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ جہمیہ، مجسمہ، جو خدا کی تجسیم کے قائل تھے، جبریہ، قدریہ، کرامیہ، معتزلہ، خوارج، باطنیہ یہ چند نام بطور نمونہ کے ہیں، اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں اور احادیث میں اسرائیلیات یعنی وہ روایتیں جو یہود و نصاریٰ میں تخلیقِ عالم اور انبیائے کرام کی نسبت نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی تھیں انھوں نے راہ پالی، اسی سے وضع حدیث کا فتنہ پیدا ہوا، اب تک چونکہ فقہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اس بنا پر جس شخص کے جی میں آتا اس پر عمل کرتا تھا اور اس کے لئے استدلال میں صحیح یا موضوع کوئی حدیث پیش کر دیتا تھا، یہ دور بنی امیہ کی حکومت کا دور تھا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس صورتِ حال کا سبب سیاسی اغراض و مصالح ہیں، لیکن مطلقاً ایسا کہنا صحیح نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ سیاست اور ملک کے معاشرتی حالات جو فتوحات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ان دونوں نے ایک دوسرے کو متاثر کیا اور زیر بحث صورت حال ان کے باہمی تعاون کا نتیجہ تھی۔

فکر و نظر میں انتشار اور اعتقاد میں اضمحلال پیدا ہو تو اس کے اثرات کردار و عمل اور اخلاق و شمائل میں لازمی طور پر ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ اسلامی سوسائٹی عملی گمراہی اور اخلاقی کجروی میں مبتلا ہو گئی، تفصیلات تکلیف دہ ہیں، الاغانی اور دوسری ادبی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں۔

اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کیلئے جو حضرات میدان میں اترے ان کو اساسی طور پر چار گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) ایک طبقۂ متکلمین، دوسرا طبقۂ فقہا، جو عام طور پر اصحاب الرائے کہلاتے تھے، تیسرا طبقۂ محدثین، چوتھا طبقۂ صوفیا، طبقۂ متکلمین نے علمی سطح پر ان شکوک و شبہات کا جائزہ لیا جو فلسفۂ یونان اور نو افلاطونیت کے زیر اثر اسلامی عقائد کے متعلق مختلف فرقوں کی طرف سے پیدا کئے جا رہے تھے، اس سلسلہ میں ہمارے ہاں عام طور پر اشاعرہ کا نام لیا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ فرق باطلہ کے مقابلہ میں جہاں تک اسلام کی طرف سے دفاع کا تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس میں اشاعرہ کے ساتھ معتزلہ کا رول بھی بڑا شاندار رہا ہے، اگرچہ قدامت پرستی (ORTHODOXY) نے کبھی ان کو اعتماد اور دوستی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ دوسرا طبقہ فقہا کا تھا۔ اسلامی ممالک میں جو نئے نئے معاشرتی اور اقتصادی مسائل و معاملات پیدا ہو رہے تھے اور جن کا ذکر قرآن و حدیث میں کہیں نہیں تھا ان کا حل کیا ہے؟ اس حل کو دلائل و براہین کی روشنی میں معلوم کر لینا فقہار کا کام تھا۔ محدثین نے فتنۂ وضع حدیث کا مقابلہ کیا جو اس زمانہ کا سخت ترین فتنہ تھا اور جس کے باعث صحیح احادیث موضوع حدیث کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو گئی تھیں کہ ان میں امتیاز کرنا سخت دشوار تھا۔ محدثین نے فن اصول حدیث مرتب کیا اور احادیث صحیحہ کی تلاش اور راویوں کے حالات و سوانح کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے ان حضرات نے جو محنتیں کیں اور دشواریاں جھیلی ہیں وہ مسلمانوں کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ اس سلسلہ میں فن اصول حدیث کے علاوہ علم اسمار الرجال پر محدثین کا جو کام ہے اس پر یورپ بھی حیران ہے اور پروفیسر مارگولیوتھ نے اس علم کو مسلمانوں کا قومی امتیاز قرار دیا ہے۔

قدامت پرستی اور جدت پسندی میں ہمیشہ اور ہر جگہ آپس میں بیر رہا ہے، چنانچہ اس زمانہ میں بھی تھا، محدثین عام طور پر فقہائے عراق کو "اصحاب الرائ" کے لقب سے یاد کرتے تھے، کیونکہ ان کو لامحالہ جدید مسائل و معاملات کے حل کے لئے قیاس اور رائے سے کام لینا پڑتا تھا۔ جیسا کہ خود عہد نبوت اور پھر عہد صحابہ میں بھی معمول تھا، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بدنام امام ابو حنیفہ کیے گئے؛ یہاں تک کہ ان کا نام ہی "قیاس" رکھ دیا گیا، محدثین اگرچہ ایک طبقہ کی حیثیت سے اصحاب الرائے سے خوش نہیں تھے، لیکن اکابر محدثین اور علمائے حجاز اصحاب الرائے کے کام کی اہمیت اور اس کی ضرورت و افادیت کے معترف اور اس کے قائل تھے چنانچہ جب عباسی خلیفہ منصور نے امام مالک بن انس سے یہ کہا: "میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی کتاب "الموطا" ... کعبہ کی دیوار سے آویزاں کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس میں اشاعرہ کے ساتھ معتزلہ کا رول بھی بڑا شاندار رہا ہے، اگرچہ قدامت پرستی (ORTHODOXY) نے کبھی ان کو اعتماد اور دوستی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

دوسرا طبقہ فقہا کا تھا۔ اسلامی ممالک میں جو نئے نئے معاشرتی اور اقتصادی مسائل و معاملات پیدا ہو رہے تھے اور جن کا ذکر قرآن و حدیث میں کہیں نہیں تھا ان کا حل کیا ہے؟ اس حل کو دلائل و براہین کی روشنی میں معلوم کر لینا فقہا کا کام تھا۔ محدثین نے فتنۂ وضع حدیث کا مقابلہ کیا جو اس زمانہ کا سخت ترین فتنہ تھا اور جس کے باعث صحیح احادیث موضوع حدیث کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو گئی تھیں کہ ان میں امتیاز کرنا سخت دشوار تھا۔ محدثین نے فن اصول حدیث مرتب کیا اور احادیث صحیحہ کی تلاش اور راویوں کے حالات و سوانح کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے ان حضرات نے جو محنتیں کیں اور دشواریاں جھیلی ہیں وہ مسلمانوں کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ اس سلسلہ میں فن اصول حدیث کے علاوہ علم اسماء الرجال پر محدثین کا جو کام ہے اس پر یورپ بھی حیران ہے اور پروفیسر مارگولیوتھ نے اس علم کو مسلمانوں کا قومی امتیاز قرار دیا ہے۔

قدامت پرستی اور جدت پسندی میں ہمیشہ اور ہر جگہ آپس میں بیر رہا ہے، چنانچہ اس زمانہ میں بھی تھا، محدثین عام طور پر فقہائے عراق کو "اصحاب الرائے" کے لقب سے یاد کرتے تھے، کیونکہ ان کو لامحالہ جدید مسائل و معاملات کے حل کے لئے قیاس اور رائے سے کام لینا پڑتا تھا۔ جیسا کہ خود عہد نبوت اور پھر عہد صحابہ میں بھی معمول تھا، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بدنام امام ابو حنیفہ کئے گئے؛ یہاں تک کہ ان کا نام ہی "قیاس" رکھ دیا گیا، محدثین اگرچہ ایک طبقہ کی حیثیت سے اصحاب الرائے سے خوش نہیں تھے، لیکن اکابر محدثین اور علمائے حجاز اصحاب الرائے کے کام کی اہمیت اور اس کی ضرورت و افادیت کے معترف اور اس کے قائل تھے۔

چنانچہ جب عباسی خلیفہ منصور نے امام مالک بن انس سے یہ کہا: "میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی کتاب "الموطا" کی نقلیں کرا کے کعبہ کی دیوار سے آویزاں کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام ممالک محروسہ میں اعلان کردوں کہ فقہی معاملات و مسائل میں صرف اس کتاب پر عمل کیا جائے اور کسی اور مذہب فقہ پر عمل نہ کیا جائے" تو امام مالک نے سختی سے خلیفہ کے اس ارادہ کی مخالفت کی اور فرمایا: "امیر المومنین! آپ ایسا ہرگز نہیں کرسکتے، کیونکہ اول تو مختلف اقوام وملل کے اختلاط وارتباط سے جو نئے نئے مسائل اور معاملات پیدا ہورہے ہیں ان سے سابقہ علمائے عراق کو ہے نہ کہ ہم اہل حجاز کو، ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے علمائے عراق نے استنباط واستخراج احکام کے اصول وضوابط کی روشنی میں جو اپنا فقہ مدون کیا اور قوانین بنائے ہیں، ہم اہل حجاز جن کو عراق کے تہذیبی، تمدنی اور اقتصادی حالات کا علم ہی نہیں ہے کس طرح اپنا فقہ عراق میں نافذ کرسکتے ہیں، پھر یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہئے کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت حجاز سے منتقل ہوکر عراق میں آباد ہوگئی تھی، اس بنا پر ان صحابہ کی جو روایتیں علمائے عراق کو پہنچی ہیں وہ ہم کو نہیں پہونچیں، پس اگر ان روایتوں کے اساس پر علمائے عراق نے کچھ احکام وضع کئے ہیں تو ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ان احکام پر عمل نہ کیا جائے اور صرف فقہ مالکی کو معمول بہ بنایا جائے۔" امام مالک بن انس کا خلیفہ منصور کو یہ جواب اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اگرچہ امام دسرخیل محدثین ہونے کے ساتھ وہ خود ایک مذہب فقہ کے بانی تھے لیکن ان کو اس کا احساس بدرجۂ اتم تھا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور اس میں حالات زمانی ومکانی سے عہدہ برآ ہونے کی فطری صلاحیت موجود ہے۔

اب رہا چوتھا طبقہ صوفیا کا۔ تو ان حضرات نے معرفت الٰہی اور تزکیۂ نفس کی مسندیں آراستہ کیں، تاکہ مسلمانوں میں ظاہر و باطن کی موافقت، عمل کی اور استواری پیدا ہو اور وہ سچے اور پکے مومن ہوں۔

غرض کہ یہ چار محاذ تھے جہاں سے ارباب فکر وبصیرت علماء نے ان حالات کا مقابلہ کیا، یہی حالات اور ان کے پیدا کئے ہوئے فتنے تھے جن کی ضرورت سے مسلمانوں

© rasailojaraid.com